© rasailojaraid.com

میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے وجود میں آئی ہے، اس کا کم ہی احساس ہے اور اس کے لیے افراد اور پوری ایک جماعت کو تیار کرنے کی جیسی فکر ہونی چاہیے، افسوس کہ وہ نظر نہیں آرہی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ' حکومت کی ذمہ داری ہے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر جہاں افرادِ امت کی ذمہ داری ہے وہیں اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اہل ایمان کو اقتدار دینے کا ذکر ہے وہاں کہا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج:۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اقتدار دے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔)

علماء نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے کہ ریاست کی کیا ذمہ داری ہے؟ آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار کو اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ حکومت کے جو سربراہ ہوں ان کا فرض ہے کہ خود بھی نماز کے پابند ہوں اور امت کو بھی نماز کا پابند بنائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کا نظام قائم کریں اور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دیں۔ اس کام کی طرف جب پوری امت متوجہ ہوگی تو حکومت بھی متوجہ ہوگی اور پھر دنیا کے اندر اشاعتِ اسلام کی راہیں کھلیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کے دور میں جب مدینہ منورہ میں کسی قدر اقتدار مستحکم ہوگیا تو آپؐ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ بہ حیثیتِ سربراہ مملکت آپ نے اس وقت کی معلوم دنیا کے بادشاہوں سے کہا کہ اسلام لے آؤ۔ یہ دعوت ایک لحاظ سے پوری دنیا کے لیے تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آج دنیا میں کوئی ایسی ریاست نہیں رہ گئی ہے، حالاں کہ چوّن، پچپن مسلم ریاستیں موجود ہیں، جو دنیا سے یہ کہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام ہی میں تمھاری نجات ہے۔اس کا شاید کوئی تصور ہی نہیں رہ گیا ہے کہ اسلام کی دعوت کا فرض حکومت کی سطح پر بھی انجام پانا چاہیے۔اگر افراد اور جماعتوں کے ساتھ حکومت بھی اس طرف متوجہ ہو تو دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

اصلاح اور دعوت دونوں کام اہم ہیں

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کو کہ تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خود ہمارے اندر جو بگاڑ ہے اس کی اصلاح ہو۔ یہ ایک بڑا کام ہے، یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے۔ختم نبوت کے اعلان کے بعد اس امت کی اصلاح کے لیے اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا، بلکہ اس کی اصلاح امت کے افراد ہی کے ذریعہ ہوگی۔ اس میں مجدّ دین پیدا ہوں گے، ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے ہمدردی رکھنے والے ہوں گے۔ وہ مختلف میدانوں میں تجدید کا فریضہ انجام دیں گے۔امت کی ذمہ داری ہے کہ ان کا ساتھ دے، ان کا تعاون کرے اور ان کی رہنمائی میں اصلاح کی سعی کرے۔

اس میں شک نہیں یہ امت دین سے بڑی حد تک غافل ہے۔اس کی غفلت کو دور کرنا ضروری ہے۔اس کے ساتھ دنیا کو اللہ کے دین کی دعوت کی ذمہ داری بھی امت پر عائد ہوتی ہے۔ اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ امت کے اندر یہ احساس پوری طرح بیدار ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین ساری دنیا کے لیے ہے اور اس کا دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں اقدامات ہوں تو اس راہ کی دشواریاں بھی دور ہو سکتی ہیں اور موجودہ بین الاقوامی حالات میں کامیابی کے امکانات بھی موجود ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امت کے کچھ افراد اور جماعتیں کارِ دعوت انجام دے رہی ہیں لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس سے اس کے وسیع تقاضے پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ان کی تکمیل کو ہم سب کو فکر کرنی چاہیے۔والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ مع المحسنین۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصحف عثمانی کی تدوین

چند تحقیق طلب سوالات

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

قرآن مجید کے متن کے جمع وتدوین اور امت کو قرآن کے ایک متفقہ متن پر مجتمع کرنے کے حوالے سے خلیفۂ سوم سیدنا عثمانؓ کے عہد حکومت میں کی جانے والی کوشش کو تدوینِ قرآن کی تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق خلیفۂ سوم کے حکم پر قرآن مجید کا ایک مصحف مرتب کروا کے اس کی نقول عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں بھیجی گئی تھیں اور لوگوں کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ اسی متن کے مطابق قراءت کریں، جب کہ اس کے علاوہ دوسرے تمام نسخوں کو تلف کر دیا جائے۔ اس واقعے سے متعلق بنیادی ماخذ سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت ہے جو حدیث وسیرت کے اکثر مآخذ میں نقل کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان و کان یغازی أهل الشام فی فتح ارمینیة و آذربیجان مع أهل العراق، فأفزع حذیفة اختلافهم فی القراءة فقال حذیفة لعثمان: یا أمیر المومنین، أدرک هذه الأمة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود و النصاری، فأرسل عثمان الی حفصة ان أرسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردّها الیک، فأرسلت بها حفصة الی عثمان، فأمر زید بن ثابت وعبدالله بن الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف، وقال عثمان للرهط القرشیین الثلاثة: اذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلفتم أنتم و زید بن ثابت فی شیٔ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش، فانما نزل بلسانھم، ففعلوا، حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف ردّ عثمان الصحف الی حفصۃ و أرسل الی کل أفق بمصحف مما نسخوا و أمر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ أو مصحف ان یحرق۔[ا؎]

''حذیفہ بن یمانؓ، عثمانؓ کے پاس آئے۔ اس وقت اہل شام، اہل عراق کے ساتھ مل کر ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے لیے جہاد کر رہے تھے۔ حذیفہ کو ان کے مابین قراءت کے اختلاف نے پریشان کر دیا۔ حذیفہ نے عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس امت کو سنبھال لیجیے، اس سے پہلے کہ یہ اللہ کی کتاب کے متعلق یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ اس پر عثمان نے سیدہ حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ وہ اوراق ہمیں بھیج دیں (جو سیدنا ابوبکر نے لکھوائے تھے) تاکہ ہم انھیں مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس لوٹا دیں۔ حفصہ نے وہ اوراق عثمان کو بھیج دیے۔ عثمان نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو مامور کیا اور انھوں نے ان اوراق کو مصاحف میں نقل کر دیا۔ عثمان نے تینوں قریشیوں سے کہا: اگر تمھارا اور زید بن ثابت کا قرآن کے کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو تو اسے قریش کے لہجے کے مطابق لکھنا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اوراق کو مصاحف میں نقل کر چکے تو عثمان نے اوراق واپس حفصہ کو لوٹا دیے، جب کہ جو مصاحف ان حضرات نے نقل کیے تھے، ان میں سے ایک ایک مصحف ہر علاقے میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی بھی صحیفے یا مصحف میں جو قرآن لکھا ہوا ہو، اس کو جلا دیا جائے۔''

واقعے سے متعلق مختلف مآخذ میں منقول روایات میں بعض جزوی اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً بیش تر روایات کے مطابق سیدنا عثمان کو اس کام کی طرف سیدنا حذیفہ نے متوجہ کیا تھا، جب کہ بعض روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ مسلمانوں کے مابین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قراءت کے اختلافات کو دیکھتے ہوئے سیدنا عثمان نے خود ہی اس ضرورت کو محسوس کیا۔۲؎ اسی طرح بعض روایات کے مطابق قراءت کے مذکورہ اختلافات کا موقع کوفہ کو بتایا گیا ہے، ۳؎ جب کہ بخاری کی مذکورہ روایت کے مطابق سیدنا حذیفہ نے یہ اختلافات ارمینیہ اور آذربائیجان کے محاذِ جنگ پر مشاہدہ کیے تھے۔ تاہم یہ اختلافات ناقابل تطبیق نہیں۔ تمام روایات کو سامنے رکھ کر واقعات کی ترتیب یہ فرض کی جاسکتی ہے کہ سیدنا حذیفہ جب کوفہ اور بصرہ میں مقیم تھے تو اسی وقت لوگوں کو الگ الگ قراءتیں پڑھتے ہوئے دیکھ کر اضطراب کا شکار ہوتے تھے اور اپنی نجی مجالس میں ابن مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے سامنے اپنا یہ احساس بھی بیان کرتے رہتے تھے کہ قراءت کے اختلاف کو ختم کر کے امت میں ایک ہی قراءت کو رائج کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد جب ایک موقع پر انھوں نے محاذِ جنگ پر مختلف شہروں سے آئے ہوئے لوگوں کے مابین قراءت کے اختلافات اور ان کی بنیاد پر باہمی نزاع اور تکفیر کا منظر دیکھا تو ان کا یہ احساس مزید قوی ہو گیا اور وہ باقاعدہ سفر کر کے سیدنا عثمانؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ گئے۔ سیدنا عثمان کے سامنے بھی اس طرح کے بعض اختلافات آ چکے تھے اور وہ گویا اپنے طور پر اس ضرورت کا احساس رکھتے تھے۔ سیدنا حذیفہ کی تحریک پر انھوں نے اس ضمن میں اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور دیگر صحابہ کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ امت کو اختلاف وافتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے قرآن کے متن کی قراءت کے حوالے سے پائے جانے والے اختلافات کا سدِّ باب کر کے امت کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے۔

بہرحال مذکورہ جزوی اختلافات سے قطع نظر، عہد عثمانی میں مصحف کی تیاری کے حوالے سے چند اہم علمی وتاریخی سوالات سامنے آتے ہیں، جو علوم القرآن کی کتابوں میں روایتی طور پر دیے جانے والے جوابات کے غیر تشفی بخش ہونے کی وجہ سے مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس نوعیت کے چند اہم سوالات کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدوینِ مصحف کی نوعیت؟

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا سیدنا عثمانؓ نے محض سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کیے ہوئے مصحف کی نقول تیار کروا کے مختلف شہروں میں بھیجی تھیں یا ازسرِنو قرآن کے متن کی جمع و تدوین کروائی تھی؟ بعض روایات سے پہلی بات معلوم ہوتی ہے اور بعض سے دوسری۔ مثلاً بخاری میں انس بن مالکؓ کی روایت (جو اوپر گزری) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محض حضرت ابوبکرؓ کے جمع کیے گئے مصحف کی نقلیں تیار کروائی تھیں۔ [۴]

اسی طرح زہری سے ایک روایت میں منقول ہے:

فوفّق اللہ عثمان فنسخ تلک الصحف فی المصاحف فبعث بها الی الأمصار و بثّها فی المسلمین [۵]

''اللہ نے عثمانؓ کو توفیق دی اور انھوں نے ان اوراق کو مصاحف میں نقل کروا کر مختلف شہروں میں بھجوا دیا اور انھیں مسلمانوں میں عام کر دیا۔''

بعض اہلِ علم نے اسی بنا پر جمعِ عثمانی کی نوعیت محض یہ قرار دی ہے کہ انھوں نے مصحفِ صدیقی کی مختلف نقول تیار کروا کر امصار و اطراف میں بھیج دی تھیں۔ تاہم بعض دیگر روایات میں صورتِ واقعہ اس سے مختلف بیان ہوئی ہے۔ مثلاً ابن ابی داوٗد نے کتاب المصاحف میں مصعب بن سعد سے نقل کیا ہے:

سمع عثمان قراءة أبیّ و عبد اللہ و معاذ فخطب الناس، ثم قال: انما قبض نبیکم منذ خمس عشرة سنة وقد اختلفتم فی القرآن وقد عزمت علی من عنده شئ من القرآن سمعه من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم لما أتانی به فجعل الرجل یأتیه باللوح و الکتف و العسب فیه الکتاب فمن أتاه بشئ قال: أنت سمعت من رسول اللہ؟ [۶]

''عثمانؓ نے ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذؓ کی قراءتیں سنیں تو لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان خطبہ دیا جس میں کہا: تمھارے نبی کو دنیا سے رخصت ہوئے ابھی پندرہ سال گزرے ہیں اور تم لوگوں نے قرآن میں اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس شخص کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو تو میں اس پر لازم ٹھہراتا ہوں کہ وہ اسے لے کر میرے پاس آئے۔ چنانچہ لوگ ان کے پاس تختیاں، مونڈھے کی ہڈیاں اور کھجور کی چوڑی ٹہنیاں لے کر آنے لگے، جن میں قرآن کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ جو شخص بھی کوئی آیت لے کر آتا تو عثمانؓ اس سے پوچھتے تھے کہ کیا تم نے یہ آیت خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟"

سیوطی نے ابن اشتہ کے حوالے سے انس بن مالکؓ کی یہ روایت نقل کی ہے:

قال: اختلفوا فی القرآن علی عهد عثمان حتی اقتتل الغلمان والمعلّمون، فبلغ ذلک عثمان بن عفان فقال: عندی تکذبون به وتلحنون فيه .... یا أصحاب محمد اجتمعوا فاکتبوا للناس إماماً، فاجتمعوا فکتبوا فکانوا اذا اختلفوا وتدارءوا فی آیة قالوا: هذا أقرأها رسول الله ﷺ فلاناً، فیرسل الیه وهو علی رأس ثلاث من المدینة فیقال له: کیف أقرأک رسول الله آیة کذا وکذا؟ فیقول: کذا وکذا، فیکتبونها وقد ترکوا لذلک مکاناً۔[۷]

"عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کا قرآن میں اختلاف ہو گیا، یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین باہم دست و گریباں ہو گئے۔ اس کی اطلاع عثمان بن عفان تک پہنچی تو انھوں نے کہا: تم میری موجودگی میں اس قرآن کو (پڑھنے میں ایک دوسرے کو) جھٹلاتے ہو اور قرآن پڑھنے میں غلطیاں کر رہے ہو؟ اے اصحاب محمد! جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک 'امام' لکھ دو۔ چنانچہ اصحاب جمع ہوئے اور انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ جب ان لوگوں کا کسی بھی آیت کے متعلق باہم اختلاف اور بحث ہوتی تو وہ کہتے تھے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے فلاں شخص کو پڑھائی تھی۔ وہ شخص (بسا اوقات) مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہوتا تو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پیغام بھیج کر بلوایا جاتا اور پوچھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں فلاں فلاں آیت کیسے پڑھائی تھی؟ وہ بتاتا کہ یوں اور یوں پڑھائی تھی۔ چنانچہ یہ حضرات اس کو لکھ لیتے، جب کہ انھوں نے اس آیت کے لکھنے کے لیے جگہ خالی چھوڑی ہوتی تھی۔''

اسی طرح مالک بن ابی عامر بیان کرتے ہیں:

كنت فی من أملی عليهم، فربما اختلفوا فی الآية فيذكرون الرجل قد تلقّاها من رسول الله ﷺ ولعله ان يكون غائباً او فی بعض البوادی فيكتبون ما قبلها وما بعدها ويدعون موضعها حتی يجئ او يرسل اليه ۸؎

''میں ان لوگوں (یعنی کاتبوں) میں سے تھا جن کو قرآن لکھوایا گیا۔ بسا اوقات ان کا کسی آیت سے متعلق اختلاف ہوتا تو وہ اس شخص کا ذکر کرتے جس نے وہ آیت خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سیکھی تھی۔ بعض اوقات وہ آدمی وہاں موجود نہ ہوتا یا کسی دیہات وغیرہ میں ہوتا تو یہ حضرات اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد والی آیات (مصحف میں) لکھ لیتے اور اس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ شخص آجاتا یا اس کو پیغام بھیج کر بلوا لیا جاتا (اور پھر اس سے پوچھ کر متعلقہ آیت اپنے مقام پر درج کر دی جاتی)۔''

اس کی مزید تائید زید بن ثابتؓ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

نسخت الصحف فی المصاحف ففقدت آية من سورة الأحزاب كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها، فلم أجدها الا مع خزيمة بن ثابت الأنصاری الذی جعل رسول الله ﷺ شهادته شهادة رجلين، وهو قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۹؎

''میں نے اوراق کو مصاحف میں نقل کیا تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ملی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ مجھے وہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

یہ روایت بھی یہی بتاتی ہے کہ اس موقع پر قرآن کے متن کی تلاش، تحقیق و تفتیش اور جمع و تدوین کا عمل ازسرنو کیا گیا تھا، کیوں کہ اگر سیدنا ابوبکر کے مرتب کردہ مصحف پر انحصار کیا گیا ہوتا تو مذکورہ آیات کے مفقود ہونے اور پھر ان کی تلاش کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

بہر حال اگر اس موقع پر متنِ قرآن کی ازسرنو جمع و تدوین کی گئی تھی تو پھر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کردہ متن پر سیدنا عثمانؓ کو اعتماد نہیں تھا؟ اگر تھا تو قرآن کے متن کی تحقیق و تفتیش کے عمل کو (Reopen) کرنے اور ازسرنو متن کے جمع و تدوین کی یہ ساری سرگرمی کیوں انجام دی گئی؟ علوم القرآن کے معاصر ماہرین نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ سیدنا عثمان نے ایسا 'مزید احتیاط' کے طور پر کیا تھا[۱۰] یا یہ کہ وہ معترضین کو کسی بھی قسم کے اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ لیکن یہ توجیہات اصل اشکال کو حل نہیں کرتیں۔ مزید احتیاط کی ضرورت وہیں پڑتی ہے جہاں پہلی کوشش میں کسی نقص کے رہ جانے کا امکان تسلیم کیا جائے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کردہ صحف کے مکمل اور جامع ہونے کے حوالے سے صحابہ کے ذہنوں میں کسی نہ کسی درجے میں کوئی شبہ یا عدم اطمینان موجود تھا؟ معترضین کے اعتراض سے بچنے کی بات بھی اسی صورت میں برمحل بنتی ہے جب یہ فرض کیا جائے کہ سیدنا ابوبکرؓ کے مصحف سے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں پوری طرح اطمینان نہ پایا جاتا ہو۔ اگر اس پر لوگوں کا عمومی اطمینان تھا تو سیدنا عثمانؓ کے لیے کسی بھی اعتراض سے بچنے کا زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے اوپر کوئی بھی ذمہ داری لینے کے بجائے محض مصحف صدیقی کو نقل کروا کے اس کے نسخے عام کر دیتے۔ حاصل یہ کہ عہد عثمانی میں متن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کی ازسرنو جمع وتدوین کی کوشش، اس سے پہلے عہد صدیقی میں کی جانے والی اسی نوعیت کی کاوش کے اعتبار و استناد اور اس کی حیثیت کے متعلق اہم سوالات کو جنم دیتی ہے، جن کا بہ ظاہر کوئی معقول اور تشفی بخش جواب اس موضوع سے متعلق بحثوں میں نہیں دیا گیا ہے۔

کس نوعیت کے اختلافِ قراءت کا سدِّ باب مقصود تھا؟

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ قراءت کے اختلافات، جنھیں سیدنا عثمانؓ اس مصحف کے ذریعے سے ختم کرنا چاہتے تھے، متعین طور پر ان کی نوعیت کیا تھی؟ اور ان کی یہ کاوش اس مقصد کے حصول میں کس پہلو سے مفید اور مددگار ہو سکتی تھی؟ عام طور پر علوم القرآن کے ماہرین نے اس نکتے کی توضیح پر زیادہ توجہ نہیں دی، جس کی وجہ سے ایک اہم اشکال ذہنوں میں باقی رہ جاتا ہے۔ اگر قراءت کے یہ اختلافات، جن کا خاتمہ مقصود تھا، اس نوعیت کے تھے جو ہمیں علم قراءات کے موجود ذخیرے میں نظر آتے ہیں (مثلاً **یعلمون** کی جگہ **تعلمون** یا **ننشرھا** کی جگہ **ننشزھا** پڑھنا) تو ان کے خاتمے کے لیے ایک مصحف مرتب کروا کے، جس پر نہ نقطے لگے ہوئے ہوں اور نہ حرکات، مختلف شہروں میں بھیج دینے کا طریقہ بدیہی طور پر موثر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حوالے سے متعلقہ مواد کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ قراءات کا جو اختلاف اس اقدام کا محرک بنا اور جسے ختم کرنے کی کوشش کی گئی، وہ بنیادی طور پر قرآن کے متن میں الفاظ کی تبدیلی یا کمی بیشی یا تقدیم وتاخیر کی نوعیت کا اختلاف تھا، کیوں کہ اسی نوعیت کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو ایک متفقہ مصحف کی قراءت کا پابند بنانا مفید ہو سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوشش دراصل اختلافِ متن کو ختم کرنے کے لیے تھی، نہ کہ محض ایک لفظ کی مختلف قراءتوں کے امکان کو ختم یا محدود کرنے کے لیے۔

بعض روایات میں اس اقدام کا باعث بننے والے اختلاف کی جو مثالیں نقل ہوئی ہیں، وہ اسی قیاس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ ابن ابی داؤد نے یزید بن معاویہ نخعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ نے ایک طرف ابوموسیٰ اشعریؓ اور دوسری طرف عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے مطابق پڑھنے والوں کو باہم اختلاف کرتے دیکھا تو وہ گھبرا اٹھے اور سیدنا عثمانؓ کے پاس حاضر ہو کر انھیں اس صورت حال سے مطلع کیا۔ اس موقع پر قراءت کے جس اختلاف کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ یہ تھا کہ ایک فریق سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۶ میں 'واتموا الحج والعمرة لله' کے الفاظ پڑھتا تھا، جب کہ دوسرا فریق 'واتموا الحج والعمرة للبيت' کے الفاظ کی قراءت کرتا تھا۔ ۱۱؎

متعدد دیگر روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہؓ قراءت کے جس اختلاف سے پریشان تھے، وہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے باہمی اختلافات تھے۔ ۱۲؎ اور ابن مسعود کی قراءت کے متعلق یہ بات ثابت ہے (جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے) کہ ان کی قراءت میں بہت سے الفاظ عام قراءت سے مختلف بھی تھے اور کئی مقامات پر الفاظ میں کمی بیشی بھی تھی۔

ابن ابی داؤد نے عبد الاعلیٰ بن حکم الکلابی سے روایت کی ہے کہ جب سیدنا عثمانؓ نے اپنا مصحف مرتب کروا کے اہل کوفہ کی طرف بھیجا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ اپنے مصاحف کو اس مصحف کے مطابق درست کر لیں تو ایک مجلس میں حذیفہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے مابین یہ مکالمہ ہوا:

> فقال أبو موسى: ما وجدتم في مصحفي هذا من زيادة فلا تنقصوها وما وجدتم من نقصان فاكتبوه، فقال حذيفة: كيف بما صنعنا؟... وكان حذيفة هو الذي أشار على عثمان رضي الله عنه بجمع المصاحف على مصحف واحد۔ ۱۳؎

> ''ابوموسیٰ نے کہا کہ تم میرے اس مصحف میں جو الفاظ زائد پاؤ، انھیں ختم نہ کرو، لیکن جو الفاظ کم ملیں، وہ (میرے مصحف میں) لکھ دو، لیکن حذیفہ نے کہا کہ پھر ہم نے جو کاوش کی ہے، اس کی کیا حیثیت رہی؟... عثمانؓ کو تمام مصاحف کو ایک مصحف پر جمع کر دینے کا مشورہ حذیفہؓ نے ہی دیا تھا۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت سے واضح ہے کہ یہ دراصل الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف تھا، جسے مصحف عثمانی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سیوطی نے ابن اشتہ کے حوالے سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے (جس کا متن اوپر نقل کیا جا چکا ہے)، اس میں بیان ہوا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ کاتبین کا جب کسی آیت کے متعلق باہم اختلاف ہوتا تو اس آیت کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی اور تحقیق کی جاتی کہ وہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شخص کو پڑھائی تھی؟ پھر اس شخص سے معلوم کیا جاتا کہ وہ آیت اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے پڑھی تھی؟ اور اس کے بیان کے مطابق وہ آیت لکھ لی جاتی۔ ۱۴؎ اس روایت سے بھی واضح ہے کہ اختلاف کی نوعیت الفاظ میں تبدیلی یا تقدیم وتاخیر یا کمی بیشی کی تھی، کیوں کہ یہی وہ اختلاف ہے جس کا خاتمہ مصحف میں درج متن کو دیکھ کر کیا جا سکتا تھا۔ ایک ہی لفظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کے اختلاف کی صورت میں نہ تو کسی ایک طریقے کو غیر منقوط رسم الخط کی مدد سے واضح کرنا ممکن تھا اور نہ کسی کے لیے ایسے متن کو دیکھ کر اس نوعیت کے اختلاف کو رفع کرنا ممکن تھا۔

انتخابِ قراءت کا معیار؟

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ مصحف سے متعلق تیسرا اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ انھوں نے ایک متن مرتب کروا کر اس سے جزوی اختلاف رکھنے والے متون کو ختم کرنے کی جو کوشش کی، اس کی بنیاد کس اصول پر تھی؟ بالعموم اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے پیش نظر قراءت کے صرف مستند اور جائز اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے ان طریقوں کو ختم کرنا تھا جنھیں استناد حاصل نہیں تھا یا جو منسوخ ہو چکے تھے۔ ۱۵؎ تاہم یہ جواب متعدد وجوہ سے محل نظر اور محل اشکال معلوم ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ روایات میں ان کے اقدام کا جو محرک نقل ہوا ہے، وہ غیر مستند اختلافات کا شیوع یا ان کا خاتمہ نہیں، بلکہ محض یہ بات تھی کہ لوگوں نے قرآن کی تلاوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے باہم جھگڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور سیدنا عثمانؓ اللہ کی کتاب کے معاملے میں مسلمانوں کو اختلاف سے بچا کر ایک مصحف پر انھیں جمع کرنا چاہتے تھے۔ روایات میں کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ ان کے پیش نظر مستند اور غیر مستند اختلافات کا تصفیہ تھا۔ اگر محرک یہ بات ہوتی تو اس کے لیے لوگوں کے باہم جھگڑنے اور ایک دوسرے کی تکفیر کی نوبت آنے تک انتظار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایسی صورت میں تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جیسے ہی انھیں یہ معلوم ہوتا کہ کچھ لوگ غیر مستند قراءات کے مطابق قرآن پڑھ رہے ہیں، وہ فوراً قرآن کے متن کی حفاظت کے جذبے سے سرگرم ہو جاتے۔

اس ضمن میں مختلف قراءات میں تواتر اور عدم تواتر کی بنیاد پر فرق کا نکتہ بھی بہت بعید از قیاس دکھائی دیتا ہے، کیوں کہ اول تو روایات میں اس معیار پر قراءتوں کو جانچنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں ملتا، پھر یہ کہ عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر اکابر صحابہ کی قراءات کو، جو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سیکھی تھیں اور اب تک نہ صرف پورے اعتماد سے لوگوں کو اس کی تعلیم دے رہے تھے، بلکہ نماز میں بھی اس کی قراءت کیا کرتے تھے، اس بنیاد پر مسترد کرنے اور خود ان حضرات سے بھی ان کو ترک کرنے کے مطالبے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ وہ 'متواتر' نہیں ہیں۔ جن صحابۂ کرام کی قراءتیں سیدنا عثمانؓ کے مصحف سے مختلف تھیں، وہ اپنے ذاتی علم اور تلقّی کی بنیاد پر انھیں اختیار کیے ہوئے تھے اور ان میں سے بعض حضرات نے سیدنا عثمانؓ کے فیصلے کے باوجود اپنی قراءت کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وجہ سے روایات کو بہ حیثیت مجموعی سامنے رکھتے ہوئے صورت حال کی درست تصویر یہ بنتی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مختلف قراءتوں کے جواز اور گنجائش کو اصولی طور پر تسلیم کرتے ہوئے محض ایک عملی مصلحت یعنی امت کو قرآن کے متن میں اختلاف سے بچانے کے لیے یہ چاہا کہ سب لوگ کسی ایک متن پر اتفاق کر کے جزوی نوعیت کے اختلافات کو ترک کر دیں۔ یہ بات بعض روایات میں صراحتاً بیان بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر سیدنا عثمانؓ نے اس سلسلے میں معترضین کا جواب دیتے ہوئے کہا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أما القرآن فمن عند اللہ، انما نهيتكم لأني خفت عليكم الاختلاف، فاقرؤوا على أي حرف شئتم ۱۶؎

"قرآن تو اللہ کی جانب سے ہے۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے (مختلف قراءتوں سے) منع کیا کہ مجھے تمھارے اختلاف میں پڑ جانے کا ڈر تھا۔ سو تم جس طریقے پر چاہو، پڑھ لو۔"

مصحف عثمانی کی بنیاد جس قراءت پر رکھی گئی، اس سے متعلق سب سے اہم اور نازک ترین سوال یہ ہے کہ اس میں قرآن کا جو متن منضبط کیا گیا، اس کا عرضۂ اخیرہ کی قراءت سے کیا تعلق تھا؟ اس ضمن میں روایات متعارض نقل ہوئی ہیں۔ بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ سیدنا عثمان نے اس مصحف کی بنیاد عرضۂ اخیرہ کی قراءت پر رکھی تھی۔ مثلاً سمرہؓ سے منقول ہے:

عرض القرآن على رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضات فيقولون: ان قراءتنا هذه العرضة الأخيرة۔ ۱۷؎

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ قرآن سنایا گیا۔ سو لوگ کہتے ہیں کہ ہماری یہ قراءت وہ ہے جو آپ کو آخری مرتبہ سنائی گئی۔"

عبیدہ سلمانی کہتے ہیں:

قراءتنا التي جمع الناس عثمان عليها هي العرضة الأخرى ۱۸؎

"ہماری قراءت جس پر عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کیا، وہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

القراءة التي عرضت على رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في العام الذي قبض فيه هذه القراءة التي يقرأها الناس۔ ۱۹؎

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سال آپ کو جو قراءت سنائی گئی، یہ وہی قراءت ہے جو آج لوگ پڑھ رہے ہیں۔"

بغوی نے شرح السنۃ میں ابو عبد الرحمن السلمی کا یہ قول نقل کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرأ زید بن ثابت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی العام الذی توفاہ اللہ فیہ مرتین وانما سمّیت ھذہ القراءۃ قراءۃ زید بن ثابت لأنہ کتبھا لرسول اللہ وقرأھا علیہ وشھد العرضۃ الأخیرۃ وکان یقرئ الناس بھا حتی مات ولذلک اعتمدہ أبوبکر وعمر فی جمعہ وولاہ عثمان کتبۃ المصاحف۔۲۰؎

''جس سال نبی ﷺ کا انتقال ہوا، اس سال زید بن ثابتؓ نے آپؐ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس قراءت کو زید بن ثابت کی قراءت اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اس کو لکھا تھا اور اسے آپؐ کو پڑھ کر سنایا تھا اور وہ عرضۂ اخیرہ میں موجود تھے۔ وہ اسی کے مطابق لوگوں کو قراءت سکھایا کرتے تھے۔ اسی لیے قرآن کو جمع کرنے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ نے ان پر اعتماد کیا اور عثمانؓ نے انھیں مصاحف لکھنے کی ذمہ داری سونپی۔''

محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی منقول ہے، تاہم انھوں نے یہ بات محض ایک قیاس اور مفروضے کے طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ نقل کرتے ہیں:

حدّثنی کثیر بن أفلح انہ کان یکتب لھم فربّما اختلفوا فی الشئ فأخّروہ فسألت لم تؤخّروہ؟ قال لا أدری، قال محمد فظننت فیہ ظناً فلا تجعلوہ أنتم یقیناً، ظننت انھم کانوا اذا اختلفوا فی الشئ أخّروہ حتی ینظروا آخرھم عھداً بالعرضۃ الأخیرۃ فیکتبوہ علی قولہ۔۲۱؎

''مجھے کثیر بن افلح نے بتایا کہ وہ صحابہ کے حکم پر مصحف لکھا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان حضرات کا کسی آیت کے متعلق اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کی کتابت کو مؤخر کر دیتے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ اسے کیوں موخر کر دیتے تھے؟ کثیر بن افلح نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ محمد (بن سیرین) نے کہا: میرا اس کے متعلق ایک گمان ہے، لیکن تم لوگ اسے کوئی یقینی بات نہ سمجھ لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات کا جب کسی آیت سے متعلق اختلاف ہوتا تو وہ اسے اس لیے موخر کر دیتے تھے تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ صحابہ میں سے کون عرضۂ اخیرہ کے زمانے کے سب سے زیادہ قریب ہے، پھر اس کے قول کے مطابق اس آیت کو لکھ لیں۔''

ابن سیرینؒ کے قیاس کے برعکس بعض روایات میں یہ نقل ہوا ہے کہ کسی بھی آیت کی قراءت میں اختلاف ہونے پر اس کی کتابت کو اس لیے مؤخر کر دیا جاتا تھا کہ کسی ایسے شخص سے اس کی تحقیق کر لی جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے اس کو خود سکھائی تھی۔ اس سلسلے میں انس بن مالکؓ اور مالک بن ابی عامر کی روایات پیچھے گزر چکی ہیں۔

بہر حال مصحف عثمانی کے عرضۂ اخیرہ کی قراءت پر مبنی ہونے سے متعلق ہمارے سامنے مذکورہ چار اقوال ہیں: ان میں سے سمرہ بن جندبؓ کا قول امام حاکم کی نقل کردہ روایت کے مطابق خود ان کا اپنا قول ہے، لیکن دیگر تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمرہ کا قول نہیں، بلکہ سند کے ایک راوی حماد بن سلمہ کا قیاس ہے۔ چنانچہ امام رؤیانی نے یہ روایت یوں نقل ہے:

عن سمرة عن النبی ﷺ قال :عرض علیّ القرآن ثلاث عرضات، قال حماد فی هذا الحدیث او غیره :فنری إن قراء تنا هی الأخیرة ۔ ۲۲؎

''سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تین مرتبہ قرآن سنایا گیا ہے''۔ حماد بن سلمہ نے اس حدیث میں یا اس کے علاوہ کسی دوسری حدیث میں یوں کہا کہ ''ہمارا خیال یہ ہے کہ ہماری قراءت آخری قراءت ہے۔''

ابن سیرین صراحتاً کہتے ہیں کہ یہ محض ان کا قیاس ہے۔ ابو عبد الرحمن السلمی کا قول بغوی نے بلا سند نقل کیا ہے، اس کے علاوہ میسر و متداول مآخذ میں اس کا کوئی ذکر ہے نہ کسی اور روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ زید بن ثابتؓ عرضۂ اخیرہ کی قراءت کے موقع پر موجود تھے۔ اس کے بعد صرف عبیدہ سلمانی کا قول باقی بچتا ہے، جسے صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کنز العمال نے نقل کیا ہے۔ اس کی استنادی حیثیت سے قطع نظر، یہ بھی حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہ بات کسی روایت کی روشنی میں کہہ رہے ہیں یا ابن سیرین کی طرح محض اپنے ذاتی قیاس کی بنیاد پر۔

مذکورہ تمام اقوال کے برعکس عبد اللہ بن عباسؓ سے صحیح سند کے ساتھ یہ صراحت منقول ہے کہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت وہ نہیں جس کے مطابق عموماً لوگ تلاوت کرتے ہیں، بلکہ وہ تھی جو عبد اللہ بن مسعودؓ لوگوں کو سکھاتے تھے اور انہی کی قراءت درحقیقت عرضۂ اخیرہ کی قراءت تھی۔ ابن عباسؓ کا یہ قول ان سے ان کے متعدد شاگردوں نے نقل کیا ہے۔ ابوظبیان کی روایت ہے:

أیّ القراء تین تعدّون أول؟ قالوا: قراءة عبد اللہ، قال: لا، بل ھی الآخرة، کان یعرض القرآن علی رسول اللہ ﷺ فی کل عام مرة، فلما کان العام الذی قبض فیه عرض علیه مرّتین، فشھدہ عبد اللہ فعلم ما نسخ منه و ما بدّل۔ ۲۳ ے

''حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا: تم کون سی قراءت کو پہلی (یعنی ابتدائی دور کی) قراءت سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت کو۔ ابن عباسؓ نے کہا: (نہیں)، ہماری قراءت پہلے دور کی قراءت ہے، جب کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت آخری دور کی قراءت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہر سال رمضان میں (جبریل کی طرف سے) ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو آپ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا گیا۔ اس موقع پر عبد اللہ بن مسعودؓ موجود تھے، چنانچہ قرآن کے جو حصے منسوخ کر دیے گئے اور جن میں تبدیلی کی گئی، وہ ابن مسعود کو معلوم ہو گئے۔''

ابن عباسؓ کے ایک اور شاگرد مجاہد سے روایت ہے:

عن ابن عباس قال: أیّ القراءتین کانت أخیراً: قراءة عبد اللہ أو قراءة زید؟ قال: قلنا: قراءة زید، قال: لا، ان رسول اللہ ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کان یعرض القرآن علی جبریل کل عام مرۃ، فلما کان فی العام الذی قبض فیہ عرضہ علیہ مرتین، وکانت آخر القراءۃ قراءۃ عبد اللہ - ۲۴؎

"ابن عباسؓ نے لوگوں سے پوچھا: تم لوگ کون سی قراءت کو آخری قراءت سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: زید بن ثابت کی قراءت کو۔ ابن عباسؓ نے کہا: نہیں، رسول اللہ ﷺ ہر سال جبریلؑ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو آپؐ نے جبریلؑ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ (اس موقع پر ابن مسعودؓ موجود تھے)، اس لیے ان کی قراءت سب سے آخری قراءت ہے۔"

یہی بات زر بن حبیشؒ نے بھی نقل کی ہے۔ کہتے ہیں:

قال لی ابن عباس: أیّ القراءتین تقرأ؟ قلت: الآخرۃ۔ قال: فان جبریل علیہ السلام کان یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل عام فی رمضان، قال: فعرض علیہ القرآن فی العام الذی قبض فیہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتین، فشھد عبد اللہ ما نسخ منہ وما بدل، فقراءۃ عبد اللہ الآخرۃ۔ ۲۵؎

"ابن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا: تم کون سی قراءت پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: آخری۔ ابن عباسؓ نے کہا: جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کو ہر سال رمضان میں قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو جبریلؑ نے آپؐ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ (اس موقع پر عبد اللہ بن مسعودؓ موجود تھے)، چنانچہ قرآن کے جو حصے منسوخ کر دیے گئے اور جن میں تبدیلی کی گئی، وہ ابن مسعودؓ کو معلوم ہو گئے۔ اس لیے (تمھاری قراءت نہیں، بلکہ) ابن مسعودؓ کی قرات، آخری قراءت ہے۔"

عرضۂ اخیرہ کے موقع پر اپنے موجود ہونے کا ذکر خود ابن مسعودؓ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ سیوطی نے ابن الانباری کے حوالے سے ان کے یہ اقوال نقل کیے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كان جبريل يعارض النبي ﷺ بالقرآن في كل سنة مرة وانه عارضه بالقرآن في آخر سنة مرتين، فأخذته من النبي ﷺ ذلك العام ۲۶؎

''جبریلؑ ہر سال ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آخری سال انھوں نے آپؐ کے ساتھ دو مرتبہ قرآن کا دورہ کیا اور اس سال میں نے نبی ﷺ سے قرآن مجید سنا۔''

اسی بنیاد پر وہ کہتے تھے:

لو أعلم أحداً أحدث بالعرضة الأخيرة منّي لرحلت اليه ۲۷؎

''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص عرضۂ اخیرہ سے متعلق مجھ سے بھی تازہ معلومات رکھتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس چلا جاؤں گا۔''

اگر حقیقی صورت حال یہی ہے جو ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ نے بیان کی ہے تو یہ بات کئی اہم سوالات کو جنم دیتی ہے۔ ان میں سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ اور ان کے ساتھ جمہور صحابہ نے امت کے لیے متفقہ مصحف مرتب کرواتے وقت عرضۂ اخیرہ کی حتمی اور نظر ثانی شدہ قراءت کو کیوں بنیاد نہیں بنایا؟ اور متن کو حتمی شکل دیتے ہوئے ابن مسعودؓ کو کلیتاً نظر انداز کیوں کر دیا گیا، جن سے قرآن سیکھنے کی تلقین نہ صرف یہ کہ نبی ﷺ نے خاص طور پر لوگوں کو فرمائی تھی، بلکہ وہ عرضۂ اخیرہ کے موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے منسوخ اور تبدیل شدہ مقامات کی بھی نشان دہی کر سکتے تھے؟ نہ صرف یہ کہ عقلی اور منطقی طور پر عرضۂ اخیرہ ہی کی قراءت کو بنیاد بنایا جانا چاہیے تھا، بلکہ یہ طریقہ مختلف قراءتیں پڑھنے اور سکھانے والے حضرات کو بھی ایک قراءت پر متفق کرنے کے لیے ایک مضبوط استدلال کا کام دے سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس سے مختلف طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس اہم اور نازک سوال کا کوئی جواب ہمیں روایات کے ذخیرے سے نہیں ملتا۔

یہاں ضمناً یہ نکتہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قراءت اورعام قراءت کے مابین اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض معاصر اہل علم کی تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید ابن مسعودؓ کے مصحف اور مصحف عثمانی میں اختلاف بس اتنا سا تھا کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب سے مختلف تھی۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا مصحف عثمانی مصاحف سے کچھ مختلف تھا اور آپ اسے محفوظ رکھنا چاہتے تھے،لیکن اس میں کیا چیزیں عثمانی مصاحف سے مختلف تھیں؟ اس کی صراحت صحیح روایات میں نہیں ملتی۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصحف میں بنیادی فرق سورتوں کی ترتیب کا تھا۔ . . .مثلاً اس میں سورۂ نساء پہلے اور سورۂ آل عمران بعد میں تھی اور حضرت ابن مسعودؓ نے شاید اسی ترتیب کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے قرآن کریم سیکھا ہوگا۔''۲۸؎

تاہم مواد کا جائزہ لینے سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ پہلی بات تو یہ کہ سورتوں کی ترتیب میں اختلاف کا معاملہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں سیدنا عثمانؓ یا جمہور صحابہ کسی ایک متعین ترتیب پر اصرار کرنا چاہتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اکابر صحابہ کے ہاں مصاحف میں سورتوں کی ترتیب مختلف تھی اور وہ اس چیز کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔مثلاً یوسف بن ماہک بیان کرتے ہیں کہ وہ ام المومنین عائشہؓ کے پاس موجود تھے کہ عراق کا ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا مصحف دکھائیے۔ام المومنین نے مقصد دریافت کیا تو اس نے کہا:

لعلّی اؤلف القرآن علیه فانه یقرأ غیر مؤلّف، قالت :وما یضرّک ایه قرأت قبل، انما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصّل ۲۹؎

''میں اس کے مطابق قرآن کو مرتب کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ قرآن کی تلاوت غیر مرتب طریقے سے کی جارہی ہے۔ ام المومنین نے کہا: تم قرآن کا جو حصہ بھی پہلے پڑھ لو، تمھیں اس کا کیا نقصان؟ سب سے پہلے قرآن کا جو حصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نازل ہوا تھا، وہ مفصل کی ایک سورت تھی۔''

اس تناظر میں اگر مصاحف کے اختلاف کی نوعیت بس سورتوں کی ترتیب میں فرق کی تھی تو ابن مسعودؓ کی طرف سے اس پر اتنی شدت سے انکار کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ سب سے اہم بات یہ کہ ابن مسعودؓ کی قراءت سے متعلق تفسیر وحدیث کے ذخیرے میں جو بکھرا ہوا مواد ملتا ہے، اس کو دیکھنے سے مذکورہ مفروضے کی قطعی تردید ہوجاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں کئی مقامات پر قراءت اس قراءت سے مختلف تھی جو مصحف عثمانی میں درج کی گئی ہے اور اس اختلاف کی نوعیت الفاظ میں تبدیلی، تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی کی تھی۔ ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں اس نوع کی تمام مثالوں کو یکجا کردیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قراءت عامہ	قراءت ابن مسعود
ان تبتغوا فضلا من ربکم (البقرۃ ۱۹۸)	فی مواسم الحج فابتغوا حینئذ
ولکل وجھۃ ھو مولیھا (البقرۃ ۱۴۸)	ولکل جعلنا قبلۃ یرضونھا
وان یاتوکم اسری تفدوھم (البقرۃ ۸۵)	وان یؤخذوا تفدوھم
واسجدی وارکعی مع الراکعین (آل عمران ۴۳)	وارکعی واسجدی فی الساجدین
ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (النساء ۴۰)	ان اللہ لا یظلم مثقال نملۃ
بل یداہ مبسوطتان (المائدہ ۶۴)	بل یداہ بسطان
والعصر ان الانسان لفی خسر (العصر)	۔۔۔لفی خسر وانہ فیہ الی آخر الدھر ۳۰؎

متن میں مختلف قراءتوں کو سمودینے کا مفروضہ

متن میں الفاظ کی کمی بیشی یا تبدیلی یا تقدیم وتاخیر کے اختلاف کے علاوہ، ذخیرۂ قراءت میں ایک بڑا حصہ ایسے اختلافات پر مشتمل ہے جن میں ایک ہی لفظ کو حروف یا اعراب وغیرہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مصحف عثمانی سے متعلق اہم سوال یہ ہے کہ اس نوع کے اختلافات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مصحف کے متن کا باہمی تعلق اور خاص طور پر مصحف کو مرتب کرنے والے حضرات کا زاویہ نظر کیا تھا؟ متاخر علمائے قراءت کی طرف سے عام طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ مصحف عثمانی کے رسم الخط میں تمام مستند قراءتوں کو سمو دیا گیا تھا اور اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ نقطوں اور اعراب کے بغیر لکھے ہوئے نقوش مختلف طریقوں سے پڑھے جانے کا تحمل کرسکیں۔[۱۳]

یہ مفروضہ بنیادی نوعیت کے کئی سوالات واشکالات کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً یہ بات کہ سیدنا عثمانؓ نے مصحف کے متن میں تمام مستند قراءتوں کو سمو دینے کا اہتمام کیا تھا، اس کی صراحت نہ کہیں روایات میں پائی جاتی ہے نہ متقدمین کے ہاں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ یہ نکتہ بہت بعد میں متاخرین نے محض قیاساً بیان کیا ہے، جب کہ تاریخی لحاظ سے اس کا کوئی نقلی ماخذ روایات میں موجود نہیں۔ پھر یہ کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام مستند قراءتوں کی تحقیق کیوں کر ممکن تھی اور کس بنیاد پر یہ فرض کیا گیا کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو جو قراءتیں سکھائیں، وہ سب کی سب مدینہ منورہ میں موجود قراء وحفاظ کے علم میں ہیں، جب کہ دور دراز شہروں کی طرف منتقل ہو جانے والے صحابہ کے پاس کوئی ایسی قراءت نہیں ہو گی جس کو مصحف میں ثبت کرنے کی ضرورت ہو؟

سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ نوعیت کے اختلاف کے خاتمے کے لیے ایک مصحف مرتب کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دینے کا طریقہ کیوں کر اس اختلافِ قراءت کا خاتمہ کرسکتا تھا؟ کیوں کہ مذکورہ نوعیت کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے ایک ایسا متن لکھوا کر بھیج دینا بدیہی طور پر کافی نہیں تھا جس پر نقطے لگے ہوئے ہوں نہ اعراب۔ ایسا متن تو بہ ذات خود اس کا محتاج تھا کہ اسے کسی دوسرے طریقے سے معلوم طریقۂ قراءت کے مطابق پڑھا جائے، چہ جائے کہ وہ قراءت کے اختلافات کا خاتمہ کرے۔

اس ضمن میں ایک دل چسپ نکتہ آفرینی یہ کی گئی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے دراصل ان مصاحف پر نقطے اور اعراب قصداً خاص اسی مقصد کے تحت نہیں لگوائے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ رسم الخط میں مختلف قراءتوں کی گنجائش باقی رہے۔ زرقانی لکھتے ہیں:

انه قصد اشتمالها على الأحرف السبعة وجعلوها خالية من النقط والشكل تحقيقاً لهذا الاحتمال ايضاً. فكانت بعض الكلمات يقرأ رسمها بأكثر من وجه عند تجرّدها من النقط والشكل نحو 'فتبيّنوا' من قوله تعالى "اِنْ جَاۗءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا" فانها تصلح ان تقرأ 'فتثبتوا' عند خلوها من النقط والشكل، وهی قراءة أخرى، وكذلك كلمة 'ننشرها' من قوله تعالىٰ "وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا" فان تجرّدها من النقط كما ترى يجعلها صالحة عندهم ان يقرء وها "نُنْشِزُهَا" بالزاى وهی قراءة واردة ايضا ۳۲؎

''عثمانؓ نے چاہا کہ یہ مصاحف ساتوں حروف پر مشتمل ہوں، چنانچہ اسی مقصد کے تحت انھوں نے ان مصاحف کو نقطوں اور اعراب سے خالی رکھا۔ یوں بعض کلمات کے نقوش کو، نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کی صورت میں، ایک سے زیادہ طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا۔ جیسے ''اِنْ جَاۗءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا'' میں 'فتبینوا' کو اگر نقطوں اور اعراب کے بغیر لکھا جائے تو اسے 'فتثبتوا' بھی پڑھا جا سکتا ہے جو کہ ایک دوسری قراءت ہے۔ اسی طرح ''وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا'' میں 'ننشرها' کا کلمہ، جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو، نقطوں سے خالی ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک زاء کے ساتھ ''نُنْشِزُهَا'' بھی پڑھا جا سکتا تھا اور یہ بھی ایک منقول قراءت ہے۔''

اس توجیہ کا بے بنیاد ہونا اس سے واضح ہے کہ اس وقت تک عربی زبان کے رسم الخط میں نقطوں یا اعراب کا طریقہ سرے سے وضع ہی نہیں ہوا تھا کہ ان کے نہ لگائے جانے سے وہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے جو مذکورہ اقتباس میں اخذ کیا گیا ہے۔

بعض متاخرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی بھیجا تھا جو مستند قراءت کے مطابق لوگوں کو قرآن کی تلاوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکھائے۔۳۳؎ تاہم مصحف کے ساتھ قاری بھیجے جانے کا تاریخی طور پر کسی روایت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا اور کم سے کم اب تک کی تحقیق کی روشنی میں اس نکتے کو متاخرین کے ایک قیاسی مفروضے سے زیادہ حیثیت دینا مشکل ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے مذکورہ تو جیہات کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے سیدنا عثمانؓ کے اقدام کی افادیت کو ایک اور پہلو سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔لکھتے ہیں:

> ''حضرت عثمانؓ نے اس نسخہ کی نقل کرانے کے لیے، جو عہد صدیقی میں تیار ہوا تھا، حکومت کی طرف سے ایک سررشتہ قائم کر دیا۔... حکم دیا گیا کہ کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ کا تلفظ اور لہجہ تھا۔ ... حضرت عثمانؓ کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ لکھاوٹ یعنی نوشت وکتابت کی حد تک انھوں نے قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا۔ رہا تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یکسانی کا مطالبہ ان کے بس کی بات تھی بھی نہیں، اسی لیے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور آزادی بخشی گئی کہ جس کا جو تلفظ ہے یا تلفظ کی جس نوعیت پر جو قادر ہے، اسی تلفظ اور لب ولہجہ میں قرآن شریف کو وہ پڑھ سکتا ہے۔''۳۴؎

مذکورہ اقتباس میں ایک تو واضح داخلی تضاد دکھائی دیتا ہے۔مثلاً ایک طرف یہ کہا گیا ہے کہ ''کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ کا تلفظ اور لہجہ تھا'' اور دوسری طرف یہ کہ ''تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یکسانی کا مطالبہ ان کے بس کی بات نہیں تھی''۔ بہر حال بدیہی طور پر یہ دوسری بات ہی درست ہے، کیوں کہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ 'لہجہ اور تلفظ' کو نقطوں اور اعراب کے بغیر کتابت کی مدد سے کیسے واضح کیا جا سکتا تھا؟ جہاں تک اس نکتے کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان کی اس ساری کوشش کا مقصد محض قرآن کی لکھاوٹ یعنی رسم الخط میں یکسانی پیدا کرنا تھا تو یہ بات 'ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' کا مصداق بنتی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ سیدنا عثمانؓ کو جس اختلاف سے واسطہ تھا اور جس کو وہ امت کی وحدت کے لیے مضر سمجھتے ہوئے اس کے علاج کی کوشش کر رہے تھے، وہ قرآن کی کتابت کا نہیں، بلکہ اس کی قراءت کا اختلاف تھا۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ پیش نظر مسئلہ کچھ اور ہو، لیکن علاج اور مداوا کسی دوسری چیز کا شروع کر دیا جائے۔

بعض اہل علم نے مصحف عثمانی کے متن میں مختلف قراءتوں کی قصداً گنجائش رکھے جانے کے مفروضے کے حق میں اس نکتے سے استدلال کیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مختلف شہروں میں جو مصاحف بھجوائے، ان کے متن بعض مقامات پر باہم مختلف تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ قراءت کے جن اختلافات کو ایک نسخے میں سمونا ممکن نہیں تھا، انھیں متن کے اختلاف کی صورت میں مختلف نسخوں میں شامل کر دیا گیا۔۳۵ لیکن اس پر ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخی طور پر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نسخوں میں یہ اختلاف قصداً اور اسی مقصود کے پیش نظر رکھا گیا تھا؟ کیا سیدنا عثمانؓ یہ چاہتے تھے کہ کسی ایک علاقے کی طرف جو نسخہ بھیجا گیا ہے، وہاں کے لوگ صرف انھی قراءتوں سے واقف ہوں جو اس نسخے کے رسم الخط کے مطابق ہیں، جب کہ دوسری قراءتوں سے، جن کو کسی دوسرے نسخے کے رسم الخط میں سمویا گیا ہے، ناواقف رہیں؟ کیا یہ طریقۂ قراءت کے اختلاف کو ختم یا محدود کرنے کا تھا یا آگے چل کر مزید اختلاف کا باعث بننے والا؟ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اختلاف قراءت کو رسم کے اختلاف کے ذریعے سے محفوظ کرنے کا یہ طریقہ صرف گنتی کے چند مقامات پر کیوں اختیار کیا گیا؟ جب کہ بیش تر مقامات پر، جہاں قراءت کا اختلاف موجود ہے، سب نسخوں میں ایک ہی طریقے سے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی آیت ۳ میں **'مالک یوم الدین'** اور **'ملک یوم الدین'** کی دو قراءتیں منقول ہیں، لیکن تمام مصاحف میں یہ لفظ الف کے بغیر **'ملک'** ہی لکھا گیا ہے۔ یہاں قراءت کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے بعض نسخوں میں اس لفظ کو الف کے ساتھ کیوں نہیں لکھا گیا؟ اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت ۹ میں **'وما یخدعون الا انفسھم'** کو باب مفاعلہ سے **'وما یخادعون'** بھی پڑھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے اور مجرد سے 'ومایخدعون بھی، لیکن تمام مصاحف میں اسے الف کے بغیر 'یخدعون ہی لکھا گیا ہے۔ اس نوع کی ان گنت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

خلاصۂ بحث

سطور بالا میں مصحف عثمانی کی تدوین سے متعلق پیدا ہونے والے چند اہم سوالات اہل علم کے سامنے رکھے گئے ہیں، تاکہ ان پر زیادہ ارتکاز کے ساتھ غور کیا جا سکے اور ان کی روشنی میں دست یاب ذخیرۂ روایات کا زیادہ تفصیلی جائزہ لیا جاسکے۔ ان سوالات کے روایتی طور پر اور بالعموم سرسری انداز میں جو جوابات دیے گئے ہیں وہ تشفی بخش نہیں ہیں۔ اگر تحقیق سے ان سوالات کے کچھ غیر روایتی جوابات سامنے آتے ہیں تو مصحف عثمانی کی تدوین اور علم قراءات سے متعلق متعدد روایتی مفروضات وتصورات بھی نظر ثانی کے متقاضی ہوں گے۔ تاہم اصل سوالات سے متعلق کوئی حتمی بات سامنے آنے سے پہلے ان اضافی اور ملحقہ سوالات کو چھیڑنا قبل از وقت ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ موضوع سے دل چسپی رکھنے والے اہل علم اپنے نتائج تحقیق سے مقالہ نگار اور قارئین کی رہ نمائی فرمائیں گے۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۴۹۸۷

۲۔ کتاب المصاحف، تحقیق: محب الدین عبدالسبحان واعظ، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۲۰۰۲ئ، طبع دوم، رقم ۴۷، ص ۲۰۴۔ رقم ۸۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۳۔ کتاب المصاحف، رقم ۳۸، ص ۱۷۵، ۱۷۶۔ رقم ۴۵ تا ۴۹، ص ۱۷۹ تا ۱۸۱

۴۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم ۴۹۸۷

۵۔ کتاب المصاحف، رقم ۸۱، ص ۲۰۸

۶۔ کتاب المصاحف، رقم ۸۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹

© rasailojaraid.com